اُردو نظم کی روایت میں انیس ناگی کا مقام

فردوس ضیا

Firdous Zia

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrision University, Lahore.

Abstract:

Traditional Poetry based on "Hamd, Munajat, Naat, Manqabat, Ghazal, Qaseedah, Marsiyah, Salam, Shehr-e-Ashob, Wasokht, Rekhti, Perodyetc" instructure of Masnawi, Musallas, Murabba, Mukhammas, Musaddas, Qitaa, Rubai, Ghazal, Tarkeebband, Tarjieband, Perody etc. Modern Poetry contains Blank Verse, Sonnet, Free Verse as well as Prose Verse. In Urdu literature, Nazir Akbarabadi is first modern poet. Altaf Hussain Haali, Muhammad Hussain Azad, Ismail Merathi, Shibli Nomani, Akbar Ilahabadi, Muhammad Ali Johar, Zafar Ali Khan are the modern poets of Anjuman-e-Punjab. Ismail Meerathi started Free Verse in Urdu. Then Meera ji, N.M Rashid, Majeed Amjad, Qayyum Nazar, Sajjad Baqir Rizwi, Arif Abdul Mateen, Shuhrat Bukhari, Dr. Saadat Saeed and Anis Nagi are the main poets of modern poetry. They followed Sartre, Witiginstan, T.S Eliot etc. Their topics are Life, Death, Mortalism, Immortalism, Loneliness of aman, difficulties and problems, Anarki, feeling o fage, Linguistical trans for mation etc.

نظم کے لغوی معنی ''موتیوں کی لڑی یا موتیوں کو لڑی میں پرونا'' کے ہیں۔اس کے لیے ''مسمط'' کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔شعری اصطلاح میں منظوم کلام کو نظم کہتے ہیں،لیکن جب سے غزل اور نظم میں امتیاز کو ملحوظ رکھنے کا آغاز ہوا ہے،اب نظم شاعری کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتی،بل کہ غزل کے مقابلے میں ایک الگ صنف کے طور پر پہچانی جاتی ہے۔ناقدین اس بات پر متفق ہیں کہ نظم شاعری کی وہ صنف ہے،جس کے تمام اشعار یا مصرعے کسی ایک ہی خیال کے گرد گھومتے ہیں۔تاہم اگر نظم طویل ہو تو شاعر اسے مختلف بندوں یا حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔لیکن نظم غزل کی طرح متفرق خیالات کا مجموعہ نہیں ہوتی،بل کہ ایک ہی خیال یا موضوع کو لے کر چلتی ہے اور اسی موضوع کو بامِ عروج تک پہنچاتی ہے۔نظم کی کئی ہیئتیں ہیں۔مروجہ

ہیئتوں میں موضوع اور ہیئت کے اعتبار سے نظم کو مختلف اصناف میں تقسیم کیا گیا ہے۔ موضوع کے اعتبار سے نظم کی کئی قسمیں ہیں، جن میں حمد، مناجات، نعت، منقبت، غزل، مرثیہ، سلام، شہر آشوب، واسوخت، ریختی، پیروڈی وغیرہ شامل ہیں۔ جب کہ ہیئت کے اعتبار سے نظم کو درجِ ذیل اقسام ہیں:

مثنوی، مثلث، مربع، مخمس، مسدس، قطعہ، رباعی، غزل، ترکیب بند، ترجیع بند وغیرہ۔

مندرجہ بالا نظم کی اقسام کا تعلق اردو نظم کی روایتی ہیئتوں سے ہے، لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد نظم کے موضوعات اور ہیئتوں میں بھی تبدیلی رونما ہوئی۔ انگریزوں نے برّصغیر میں قیامِ حکومت کے بعد نہ صرف یہاں کی معاشرت، تہذیب وتمدن، افکار، علمی نظام اور معاشی طریقِ کار کو جدید خطوط پر استوار کیا، بلکہ شعروادب کو بھی متاثر کیا۔ چناں چہ مغرب سے کئی شعری اصناف اردو میں متعارف ہوئیں، جن میں نظمِ معرّا (VerseBlank)، سانیٹ (Sonnet) اور آزاد نظم (VerseFree) خاص طور سے اہم ہیں۔ یوں تو اردو نظم نگاری کا آغاز شمالی ہند سے ہوا۔ مسعود سعد سلمان، حیرت، امیر خسرو، قلی قطب شاہ اور اس عہد کے دیگر شاعروں نے اردو نظم کی داغ بیل ڈالی۔ اس ابتدائی دور میں وہ صوفیانہ کلام بھی ملتا ہے، جس میں اردو زبان کے الفاظ خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ اس ضمن میں بابا فریدالدین گنج شکرؒ، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور نظامی کا کلام دیکھا جا سکتا ہے۔ بعد ازاں جب قطب شاہی اور عادل شاہی دور میں اردو زبان پروان چڑھنے لگی تو بہت سے شعرا نے نظم کو ذریعہ اظہار بنایا۔ محمد قلی قطب شاہ کے بعد ابراہیم عادل شاہ، میراں شاہ ہاشمی، نصرتی، ملا وجہی، شوقی، ابنِ نشاطی اور غواصی سمیت کتنے ہی شاعر ایسے ہیں جو نظم نگاری کی طرف مائل ہوئے اور انھوں نے نظم کی مختلف اصناف کو اختیار کیا۔ ان اقسام میں قصیدے اور مرثیے کو خاص مقام حاصل تھا۔ تاہم مثنوی بھی اس عہد کے شاعروں میں ایک مرغوب صنفِ سخن تھی۔ یہ بات اب تسلیم کی جا چکی ہے کہ نظیر اکبر آبادی اگرچہ نظم کی مروجہ اقسام کے شاعر تھے، لیکن جس طرح انھوں نے موضوعات میں تنوع پیدا کیا اور عوامی رجحانات کو نظم کا حصہ بنایا، اس سے جدید شاعری کی ابتدا ہوئی، لیکن اگر دیکھا جائے تو مروجہ اصنافِ نظم میں بھی بلند پایہ تخلیقات ہوئیں، جیسے مرزا محمد رفیع سودا اور شیخ ابراہیم ذوقؔ کے قصائد، میر تقی میرؔ کی مثنویاں، میر حسن کی سحرالبیان، پنڈت دیا شنکر نسیمؔ کی گلزارِ نسیم، نواب مرزا شوقؔ کی زہرِ عشق، میر ببر علی انیسؔ اور مرزا سلامت علی دبیرؔ کے مرثیے، امانت لکھنوی کی واسوخت اور داغ دہلوی کے شہر آشوب اردو شاعری میں گراں قدر اہمیت کے حامل ہیں۔

اردو نظم بھی اردو ناول کی طرح حادثاتی طور پر وجود میں آ گئی اور اردو کلچر کا حصہ بن گئی۔ پھر اعلیٰ فن پاروں کی تخلیق کے باعث یہ صنف زندگی اور ادب کے لیے ناگزیر ہوتی گئی۔ اردو زبان میں غزل کے سوا جو بھی شاعری ہے، وہ نظم ہے۔ اگرچہ اس کی نوعیت مختلف ہو جاتی ہے۔ یوں مثنوی، قصیدہ، مرثیہ اور شہر آشوب بھی نظم کے زمرے میں داخل ہو گئے۔ اردو نظم میں نیا موڑ مولانا الطاف حسین حالیؔ اور محمد حسین آزادؔ کی نئی نظم سے شروع ہوا، یعنی نئی نظم کی تشکیل ہوئی اور پھر یہ پروان چڑھنے لگی۔ اس کی ترقی یافتہ شکل ہمیں اقبال، ظفر علی خاں اور اس دور کے دیگر قوم پرست شعرا کے ہاں ملتی ہے۔ میر انیس کی بدولت اردو نظم کو ''مکالمہ'' کا جدید انداز بھی مل گیا تھا، جس سے اقبال نے بھرپور استفادہ کیا۔ اس دور کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے اردو میں گیت نگاری اور آزاد نظموں کی دھوم مچ گئی تھی۔ اگر ایک طرف عظمت اللہ اور حفیظ جالندھری نے گیت کی صورت میں نظم کے مقامی لہجے کو محفوظ کرنے کی سعی کی تو دوسری طرف میراجی، ن۔م راشد اور مجید امجد نے نئی نظم کو وسعت عطا کی۔ اگرچہ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ میراجی کی نظمیں گیت کے زیادہ قریب ہیں، لہٰذا انھیں نظم کہنا غلط ہوگا، کیوں کہ ان کے فن میں راشد اور مجید امجد کی تخلیقی بنت

کاری دکھائی نہیں دیتی۔اردو نظم جب اپنے نئے عہد میں داخل ہوئی تو اپنے ساتھ زبان کا نیا ڈھانچہ اور نئی کرافٹ لے کر آئی، نئے فکری مسائل کا اظہار لے کر آئی، اس زبان کو اپنایا گیا، جو اظہار کا سچا اور عوامی لہجہ تھا۔سرسید احمد خاں کی تحریک نے نئے رجحانات کا پرچار کیا تو قدیم اصنافِ سخن کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہوئی۔مولانا الطاف حسین حالؔی نے تو ''مقدمہ شعروشاعری'' لکھ کر قدیم اردو اصناف کو مسترد ہی کر دیا۔انھوں نے جہاں مثنوی، قصیدے اور غزل کی اصلاح پر زور دیا، وہاں اس بات کا پرچار بھی کیا کہ شاعری کو واقعیت اور حقیقت کے قریب ہونا چاہیے۔ نئے سیاسی حالات کا تقاضا بھی یہ تھا کہ اب غزل کو چھوڑ کر نظم کا دامن تھاما جائے۔

جدید نظم کے حوالے سے انجمن ترقی پسند مصنفین پر حلقہ اربابِ ذوق کو فوقیت حاصل ہے۔حلقہ اربابِ ذوق ۱۹۳۹ء میں قیام پذیر ہوا اور اس کا پہلا نام ''بزمِ داستان گویاں'' رکھا گیا، لیکن ۱۹۴۰ء میں جب قیوم نظر اور میراجی حلقہ میں شامل ہوئے تو اس کا نام ''بزمِ داستان گویاں'' سے بدل کر ''حلقہ اربابِ ذوق'' رکھ دیا گیا۔اس کا ایک منشور اور دستور بھی بنایا گیا۔حلقہ اربابِ ذوق کے بنیادگزاروں میں شیر محمد اختر، قیوم نظر، احمد حسن، حفیظ ہوشیار پوری، تابش صدیقی، کنہیالال کپور، میراجی، یوسف ظفر، ممتاز صدیقی اور ضیا جالندھری کے نام بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔۱۹۴۰ء میں میراجی کو ایک محور کی حیثیت حاصل تھی۔وہ ادبی دنیا میں نہ صرف نئی نظمیں شائع کرتے تھے، بل کہ ان کے تجزیے بھی لکھتے تھے۔ابنِ انشا نے بھی اسی دور میں کئی خوب صورت نظمیں لکھیں۔ڈاکٹر وزیر آغا کے الفاظ میں:

> ''جدید اردو نظم کا آغاز میراجی سے ہوتا ہے۔میراجی نے اپنی مدافعتی قوتوں کی مدد سے تحفظِ ذات کی کوشش بھی کی ہے، جس کے نتیجے میں تصادم اور آویزش کے متعدد پہلوان کی نظموں میں ابھرتے چلے آئے۔بڑی بات یہ ہے کہ میراجی سے اردو نظم کی ایک نئی جہت کا آغاز ہوتا ہے۔''(۱)

حلقہ اربابِ ذوق کے بنیادگزار شاعروں کے ساتھ جو شاعر جدید نظم میں نمایاں ہوئے، ان میں ڈاکٹر وزیر آغا، اختر حسین جعفری، شہزاد احمد، فہمیدہ ریاض، منیر نیازی، کشور ناہید، افتخار جالب، انیس ناگی، امجد اسلام امجد، بلراج کومل، پروین شاکر، حسین مجروح اور سلمان سعید شامل ہیں۔ان شعرا نے نئی نظم کی دونوں ہیئتوں نظمِ معرّا اور آزاد نظم میں نظمیں لکھیں۔یہاں کے تہذیبی، فکری اور سماجی منظرنامے کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا اور نظمِ جدید میں نئے نئے فکری اور ہیئتی تجربوں کا سفر بھی جاری رکھا۔

گزشتہ کئی دہائیوں سے ترقی پسندی یا مارکسیت، نومارکسیت، جدیدیت اور مابعد جدیدیت نے ہمارے ادب کو معنویت عطا کی ہے ورنہ اردو ادب تقلیدی ادب دکھائی دینے لگا تھا۔اس عہد کے ناقدین اور خلاق اذہان نے تنقید کو ایک بہتر راہ نما کے طور پر قبول کر کے اپنی تخلیقیت کی آزاد نشوونما پر کچھ حدیں ضرور قائم کر دی تھیں، لیکن حقیقت اور لسانیاتِ شعری کے تعلق سے بعض خوش فہمیوں اور غلط فہمیوں سے پروان چڑھنے پر تنقید ہی نے قدغن بھی لگائی تھی اور تخلیقی اذہان کے حق میں ایک مناسب فضا بھی پیدا کر دی تھی۔

۱۹۶۰ء کے بعد جن دو اہم نقادوں نے جدید اردو نظم میں نظریہ سازی کی کوشش کی ان میں جیلانی کامران اور افتخار جالب کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ان کی لسانی تشکیلات نے جدید نظم کو ایک نیا لحن اور آہنگ عطا کیا۔یہ لسانی تشکیلاتی گروہ الفاظ کی اہمیت کا قائل تھا۔جن شعرا نے تمثال کاری یا امیجری کے حق میں آواز اٹھائی، ان میں افتخار جالب، عبدالرشید، انیس

ناگی، جیلانی کامران ودیگر بہت اہمیت کے حامل ہیں۔افتخار جالب کے بارے میں عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ وہ ایسے شعرا کے پیش امام ہیں۔انیس ناگی اورعبدالرشید کی شاعری کو اسی تناظر میں خاص طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ انیس ناگی براہِ راست انگریزی اور مغربی ادبیات سے متاثر تھے،لہٰذا شاعری میں الفاظ کے برمحل استعمال کے ذریعے معانی میں وسعت پیدا کرنا خوب جانتے تھے۔عبدالرشید نے نظم کی وحدت کو توڑتے ہوئے اس میں تمثال کاری کا جہان آباد کیا اور فن کی اہمیت کے باوجود فکر کو فن پر ترجیح دی۔

ستر(۷۰)،اسی(۸۰)اورنوے(۹۰) کی دہائیوں میں بہت سے اہم نظم نگار سامنے آئے،جن کی نظم نگاری نے فکری،لسانی اور تکنیکی سطحوں پر نئے رجحانات متعارف کروائے۔ بہت سے تجربات ہوئے اور اردو نظم میں تنوع پیدا ہوا،مگر مغربی اور مقامی زبانوں کی شاعری اور کلچر سے جو رجحانات اردو نظم نے قبول کیے اور ہیئتی اور لسانی تجربوں نے نظم پر جو اثرات مرتب کیے،ان پر کوئی جامع تنقیدی کام کم ہی دیکھنے میں آیا ہے۔نئی نظم کو بہ آسانی چار ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور ن۔م راشد، مجید امجد، میراجی اور اختر الایمان پر مشتمل ہے۔دوسرے دور میں وزیر آغا،ضیا جالندھری،مختار صدیقی، انیس ناگی، جیلانی کامران اور محمد سلیم الرحمٰن وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔تیسرے دور میں اختر حسین جعفری،آفتاب اقبال شمیم،ستیہ پال آنند،سرمد صہبائی،عبدالرشید،ساقی فاروقی اور احسان اکبر شامل ہیں۔چوتھا دور علی محمد فرشی ،وحید احمد، رفیق سندیلوی، ذی شان ساحل،انوار فطرت،افضال احمد سید،ابرار احمد،نصیر احمد ناصر، جاوید انور اور پروین طاہر وغیرہ کا دور دکھائی دیتا ہے۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے پہلے شعری مجموعے کا نام''تمثال'' ہے، جو ستر کی دہائی میں منظرِ عام پر آیا،مگر اس مجموعے کی ساخت پر ساٹھ کی دہائی میں منظرِ عام پر آنے والی نئی شاعری کی تحریک کے نظریات کی گہری چھاپ تھی۔لسانی اعتبار سے بھی ''تمثال'' کی نظموں کے اسلوب کا رشتہ اس لفظیاتی ومعنوی روایت سے جڑا ہوا ہے،جنھیں افتخار جالب کی لسانی تشکیلات کے تحت فروغ حاصل ہوا۔تبسم کاشمیری کی نظموں میں موجود عصری حسیت کو اس عہد کے دوسرے نظم نگاروں پر اس لیے فوقیت حاصل ہے کہ ان کے ہاں خارجی حقائق کی بازیافت کا عمل اپنی ذات کو مقدم رکھا گیا۔

سعادت سعید کا شعری سفر اگرچہ اسی کی دہائی میں ابھرنے والے نظم گوشعرا کے ساتھ شروع ہوا،مگر ان کی نظموں کی چیستانی صورتِ حال اپنا رابطہ اس لسانی روایت سے استوار کیے ہوئے ہے، جو افتخار جالب اور ان کے ساتھیوں کا مطمحِ نظر تھی سعادت سعید کی نظموں میں موجود بدہیئت پیکر اور کریہہ تمثالیں ان کی نظموں میں جاگزین اس داخلی کرب کا عکاس ہیں، جو اپنے عصر کی رائیگانی کا نوحہ ایک نئے سیاق میں رقم کر رہا ہے۔ایک نظم''جنازے'' کی چند سطریں دیکھیے :

حیات کیا ہے وہ فاسد مواد زخموں کا
جسے لپیٹ کے روئی کے چند گالوں میں
غلاظتوں کی چلمچی میں دھو کے ڈالا گیا(۲)

شاعری میں عصری حسیت کے حوالے سے جن شعرا کا نام لیا جاسکتا ہے،ان میں اختر الایمان، بلراج کومل،ضیا جالندھری، جیلانی کامرانی،منیر نیازی،ساقی فاروقی،محمد سلیم الرحمٰن،ڈاکٹر خورشید رضوی،افتخار عارف اور سہیل احمد خان کے نام بہت اہم ہیں۔

موت کی اٹل حقیقت اور ناگہانیت نے افراد کو جذباتی سطح پر انہدام اور شکستگی سے دوچار کر دیا۔ جہاں اردو غزل اس

موضوع سے دامن نہیں بچا سکی، وہاں اردو نظم نے بھی اس موضوع کی آفاقیت کی بنا پر اسے اپنا لیا۔ جدید شاعری (نظم) بھی اس موضوع سے لب ریز ہے۔ جدید شعرا میں میراجی، ن۔م راشد، مجید امجد، قیوم نظر، سجاد باقر رضوی، ادیب سہارن پوری، عارف عبدالمتین، عبیداللہ علیم، شہرت بخاری، ماہ طلعت زاہدی، منیر نیازی، ثروت حسین، جمیل ملک، منصورہ احمد، حمیدالماس، رفیق سندیلوی، احمد شمیم، آفتاب اقبال شمیم، سید سجاد، انیس ناگی اور دیگر شعرا نے اس موضوع کو عمدگی سے برتا ہے۔ سارتر کہتا ہے:

> ''..... موت جیسے ہی مجھ پر آشکار ہوتی ہے، یہ میرے امکانات کی نیستی کا امکان ہوتی ہے،..... یہ نہ صرف ایک ایسا منصوبہ ہے جو میرے منصوبوں کو تہ و بالا کر دیتا ہے۔ خود اپنے آپ کو معدوم کرتا ہے بلکہ میری خواہشات و تمناؤں کی ناممکن بربادی کو بھی ممکن بنا دیتا ہے۔''(۳)

لہٰذا یہ کہنا کچھ بھی دشوار نہیں لگتا کہ موت فرد پر یہ آشکار کرتی ہے کہ نیستی اور لایعنیت سے عبارت ہے۔ اس سے ملتا جلتا خیال انیس ناگی نے اپنی نظم ''نیستی کی ایک نظم'' میں پیش کیا ہے:

سب کے لیے موت جب منزل ہے
تو پھر کیوں یہ نظامِ زندگی چاند تاروں کا
جہاں پیدا کیا؟
انجام کتنا بے مزہ ہے
ابتدا پھر کس لیے کی؟
آدمی کو خلق اس نے کیوں کیا؟
محروم رہنا تھا مقدر
پھر تمنا کا دریچہ کھول اس نے کیوں دیا
انجام ہے جب نیستی
تو میں وجود آدمی کی بات کیوں کرتا رہوں(۴)

انیس ناگی نے شاعری، تنقید، افسانہ، ناول، تحقیق اور ترجمہ کے حوالے سے نام کمایا۔ ان کے ہاں مکروہ، ممنوع اور نامانوس الفاظ بہ کثرت دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی نظم میں انتشار، بے سمتی اور ابہام سے پُر تصورات موجود ہیں۔ ان کی نظم کا فرد بے سمتی کا شکار ہے۔ انیس لسانی تشکیلات سے وابستہ تحریک کا حصہ رہے۔ انیس کی شاعری اور نثر کی پچاس سے زائد کتب شائع ہو چکی ہیں، جن میں سے ''ابھی کچھ اور''، ''زوال''، ''ایک گرم موسم کی کہانی''، ''ایک لمحہ سوچ کا''، ''آگ ہی آگ''، ''چوہوں کی کہانی''، ''بشارت کی رات''، ''درخت مرے وجود کا''، ''بیابانی کا دن''، ''دیوار کے پیچھے''، ''کیمپ''، ''بیگانگی کی نظمیں''، ''گردش''، ''بے خوابی کی نظمیں''، ''محاصرہ''، ''بے خیالی میں''، ''میں اور وہ''، ''نوحے''، ''سکریپ بک''، ''روشنیاں''، ''قلعہ''، ''زرد آسمان''، ''ناراض عورتیں''، ''غیر ممنوعہ نظمیں''، ''ایک ادھوری سرگزشت''، ''صداؤں کا جہاں'' اور ''جنس اور وجود'' بہت اہم ہیں۔

مذکورہ بالا کتب میں بھی ''زوال''، ''زرد آسمان''، ''ایک ادھوری سرگزشت''، ''بے خوابی کی نظمیں''، ''ایک لمحہ سوچ کا'' اور ''دیوار کے پیچھے'' سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔

افتخار جالب کی پہلی کتاب ''ماخذ'' کے نام سے شائع ہوئی، جو ان کی شاعری پر مشتمل مجموعہ ہے۔اس کا دیباچہ نئی شاعری کے ''مینی فیسٹو'' کی حیثیت رکھتا ہے۔اس حوالے سے انیس ناگی کی رائے بڑی اہمیت کی حامل ہے:

> ''ماخذ کے دیباچے میں افتخار جالب شعری تخلیقات میں چار قسم کے تغیرات کا اعلان کرتا ہے: اوّل یہ کہ اس کے تجربات کا میلان ایک نئے اسلوبِ زیست سے جنم لیتا ہے، دوم یہ کہ وہ ان تجربات کی شناخت نئے لسانی رابطوں کی صورت میں کرتا ہے، سوم یہ کہ شاعری میں افہام کے تجزیاتی وسائل سے انحراف ضروری ہے، چہارم یہ کہ مروجہ شعری زبان پر تشدد کر کے پرانی لسانی حرمتوں کی شکست وریخت ضروری ہے۔''(۵)

انیس ناگی نے آزاد نظم کے ساتھ ساتھ نثری نظم کو بھی مکمل اعتماد کے ساتھ اپنے تخلیقی اظہار کا وسیلہ بنایا اور نثری نظم کی ہیئتی ساخت کو آزاد نظم کی ساخت سے علاحدہ کرنے کے لیے طویل جملوں اور پیراگراف کی صورت میں لکھا۔انیس ناگی کی نظموں میں عصری رویوں اور مسائل کا بیان اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی بیش تر نظمیں اُسی روایت کی وضاحت کرتی تھیں، جو ساٹھ کی دہائی کے بعد ابھرنے والے جدید نظم گو شعرا کا مطمحِ نظر رہی۔ان کی نظموں کے کلیات کی ابتدائی نظمیں ہی مذکورہ عصر میں انسان کے وجود کی کم مائیگی اور اس کے نتیجے میں ملنے والے داخلی کرب کی نمائندہ ہیں:

> کس کو خبر ہے کہ ہم سب ادنیٰ چقر کیڑے تعمیر کے قرینے میں مدتوں سے شامل
> اک دن یونہی ہوا کے پھیلے خلا میں آ کر
> دم توڑنے سے پہلے بے مائیگی کے ماتم میں الوداع کہیں گے(۶)

انیس ناگی، ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی ذات کا آئیکون عصرِ حاضر میں انسان کی مظلوم شخصیت کے کٹے پھٹے ''فریسکوز'' کو قرار دیتے ہیں اور تمثال کی نظمیں ذات کے وسیع تر آئیکون کے مختلف سلسلے گردانتا ہے:

> ''تبسم کاشمیری کی ذات کا آئیکون عصرِ حاضر میں انسان کی مظلومیت کے کٹے پھٹے ''فریسکوز'' سے بنتا ہے۔تمثال کی نظمیں ذات کے وسیع تر آئیکون کے مختلف سلسلے ہیں۔''(۷)

انیس کے ''کلیات'' میں ''نوحہ'' کے عنوان سے لکھی گئی اٹھارہ (۱۸) نظمیں درحقیقت اُس انسان نما مشینی مخلوق کا نوحہ ہیں، جو مال وزر کی ناجائز تلاش میں سٹھیائے ہوئے مجمع کی شکل اختیار کر چکا ہے اور بھٹکی ہوئی ابابیلوں کی مانند ایک دوسرے پر آگ کے شعلے پھینکنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔اسی سلسلے کی آخری نظم کے آخری مصرعے انسان کی اسی کیفیت کے آئینہ دار ہیں۔

انیس ناگی کی نظموں کا کردار تیسری دنیا کا وہ اسفل ترین باشندہ ہے، جس کے سامنے ہمالہ اور الوند کی چوٹیوں سے ابھرنے والی امید کی کرنیں کب کی ماند پڑ چکی ہیں اور وہ ماضی کی روایات سے قطع تعلق ہونے کے باعث اپنی مسخ شناخت، جو اس نے خود ہی مسخ کی ہے، کے کرب سے ایسے دوچار ہوا ہے کہ ہر گزرتا ہوا لمحہ اس کے وجود کو دیمک کی طرح مزید کھوکھلا کرتا چلا جا رہا ہے۔اس کی ذات کے جزدان میں رکھے صحیفے وقت کی دیمک کی نذر ہو کر اپنا وجود تک کھو چکے ہیں۔صنعتی اور مشینی تہذیب نے سب کچھ یوں خلط ملط کر دیا ہے کہ نامہرباں عہد کی سختیوں کے سامنے زندگی کا لطف اور سکون لڑھکتے ہوئے گیند کی مانند شہر کی سیڑھیوں میں کھو کر رہ گیا۔اب ایک نظم ''نوحہ۳'' کے چند مصرعے پڑھتے ہیں، جن میں عصری حسیت کے نقوش تلاش کرنا چنداں دشوار نہیں:

جہاں سب ذائقوں میں متلی کا ذائقہ ہے، جہاں نیند میں بے خوابی کا سفر ہے، اور
جہاں بے خوابی کی دھڑکنوں میں ایک عظیم اجتماعی احساسِ ہزیمت اور
نایافتگی کا پیہم سلگتا ہوا جہنم خوشیوں کی تہ میں سیال تیار کر رہا ہے
اے بے ضمیر عہد کے باضمیر لوگو!(۸)

قیامِ پاکستان کے بعد کے شاعروں میں افتخار جالب، اختر احسن، مبارک احمد، نسرین انجم بھٹی، ڈاکٹر سعادت سعید، انیس ناگی اور عبدالرشید نے نثری نظم پر خاص توجہ دی۔ آج بھی شاعروں میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو نثری نظم کو شاعری تسلیم نہیں کرتے اور وہ اسے نثر یہ یا نثر پارہ قرار دیتے ہیں۔ تاہم مبارک احمد، نسرین انجم بھٹی اور عبدالرشید کی نظمیں اس حقیقت پر دال ہیں کہ شاعر اس نئی ہیئت میں وہ بات بھی کہہ سکتا ہے، جو وہ عموماً آزاد نظم یا نظمِ معرّا میں کہنے سے قاصر رہتا ہے۔

انیس ناگی معروف شاعر، ادیب، نقاد، محقق، ناول نگار اور کالم نگار ہیں۔ ان کی تحریروں سے احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے جو کچھ بھی لکھا، بہت توجہ اور سنجیدگی سے لکھا۔ ان کی تحریریں تجزیاتی اور پُر مغز ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ایسے موضوعات کے لیے ایک جرأتِ رندانہ کی ضرورت ہے، جو خال خال دکھائی دیتی ہے۔ میر ضمیر الدین سے لے کر ڈاکٹر سلیم اختر تک نے عورت کو سمجھنے کی کوشش کی، جو جزوی طور پر تو کامیاب رہی، لیکن مکمل طور پر کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکی۔

انیس ناگی نے پاکستانی عورت کی جنسیات کو سمجھنے کے لیے رمز کو اختیار کیا ہے۔ مطالعے اور زندگی کے معاملات کی گہری بصیرت کی بنا پر انیس ناگی کی تحریریں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انسان اعصابی تاروں میں گندھا ہوا ایک ایسا معجزہ ہے، جس کی ذات خاصے پیچیدہ عناصر کی تمام تر پیچیدگیوں سمیت بھرپور طور پر اثر انداز ہو کر بنتی ہے اور پھر اس کی زندگی کے تجربات، ماحول، معاشیات، عمرانیات، مذہب، تاریخ اور جینز سے مل کر تخلیق پاتی ہے، جو اس کے جنسی، نفسیاتی اور سماجی وجود کی تشکیل کرتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ کتاب سے وابستگی رکھنے والا ایسا عاشق کم پیدا ہوگا۔ ناول، شاعری، تحقیق، تنقید، دستاویزی فلم، غرض سب کچھ ان کی دسترس میں دکھائی دیتا ہے۔ ترجمے کے میدان میں اترے تو سینٹ کامیو، پابلو نیرودا، ٹی۔ ایس ایلیٹ اور دیگر مغربی مصنفین کو اردو میں متعارف کرا دیا۔

نظموں میں ان کی زبان نامانوس الفاظ بہ کثرت دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کی نظم بے سمتی، انتشار اور ابہام کا شکار دکھائی دیتی ہے۔ اسی لیے اس کی نظم کا فرد بھی بے سمتی کا شکار ہے۔ لسانی تشکیلات کے گروہ سے وابستہ دیگر شعرا میں سلیم الرحمٰن، زاہد ڈار وغیرہ شامل ہیں۔

انیس ناگی ان نظم گو شعرا میں شمار ہوتے ہیں، جنھوں نے اردو ادب کے ساتھ ساتھ مغربی ادبیات کا خوب مطالعہ کیا۔ انھوں نے مغربی تحریکات سے واقفیت بہم پہنچائی۔ ''امیجسٹ تحریک'' سے وابستگی کا تو انھوں نے برملا اظہار انھوں نے اپنی نظموں میں کیا ہے۔ وہ تمثال کاری کے فن سے وہ بہ خوبی آگاہ ہیں اور اپنی شاعری کو تمثال کے مختلف رنگوں سے جگمگایا ہے۔ ان کے ہاں ایک انتہائی حساس ذہن کا احتجاج اور ردِعمل دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے اچھی اور بُری تمثال نگاری میں متاثر کن حد تک کامیاب رہے ہیں۔ ان کی شاعری عالمی کرب کی نمائندہ شاعری ہے۔ ان کی تمثال کاری، علامت نگاری کی بہت اچھی مثال ہے۔

مذکورہ بالا بحث کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرنا چنداں دشوار نہیں کہ نئی نظم فکری و فنی سطح پر روسی، مارکسی اور خصوصاً چیخوف کے

اثرات نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔اسی کے ساتھ ساتھ مغربی، امریکی اور تجریدیت نے بھی اردو نظم پر غلبہ پایا ہوا ہے۔فکری اور موضوعاتی سطح پر نت نئے موضوعات نئی نظم کا حصہ بنے۔نئے خیالات اور نئے الفاظ کا سیلِ رواں اردو زبان میں امڈ آیا۔اردو کی نئی نظم میں خصوصاً زندگی، موت، فنا، بقا، وجودیت، فرد کی تنہائی، آزادہ روی، خرد کی آزادی، انفرادیت اور زندگی سے جڑے ہوئے دیگر موضوعات شامل ہوئے۔غرض یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جہاں نئی اُردو نظم نے روسی اور مغربی ادب کی فکر و فن کو اپنایا، وہاں ان ادبیات میں موجود اصنافِ سخن اور الفاظ و تراکیب کو بھی اپنے وسیع تر دامن میں سمیٹ لیا۔

حوالہ جات

۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اُردو شاعری کا مزاج، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۲۰۰۸ء، ص:۳۹۰

۲۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، آزادی اور ذمہ داری کی شعریات، مشمولہ: کجلی بن، لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص:۴۲

3. Being and Nothingness, P-691

۴۔ انیس ناگی، صداؤں کا جہاں، لاہور: جمالیات، ص:۶۳۔۶۲

۵۔ انیس ناگی، نیا شعری افق، لاہور: جمالیات، طبع دوم، ۱۹۸۸ء، ص:۱۰۵

۶۔ انیس ناگی، بیگانگی کی نظمیں، لاہور، جمالیات، ۲۰۰۰ء، ص:۶۵

۷۔ انیس ناگی، نیا شعری افق، ص:۱۴۶

۸۔ انیس ناگی، بیگانگی کی نظمیں، ص:۱۴۶

☆.....☆.....☆